اکائی 21 دکن میں اُردو مرثیہ کا ارتقا

ساخت

21.1 اغراض ومقاصد

21.2 تمہید

21.3 دکن میں اردو مرثیہ کا ارتقا

21.3.1 دکن میں اُردو مرثیہ کا پس منظر

21.3.2 دکن میں اُردو مرثیہ کا ارتقا

21.3.3 ماحصل

21.4 آپ نے کیا سیکھا؟

21.5 اپنا امتحان خود لیجیے

21.6 سوالوں کے جوابات

21.7 فرہنگ

21.8 کتب برائے مطالعہ

21.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ:

- دکن میں اُردو مرثیہ کے پس منظر سے واقف ہوں گے۔
- دکن میں ابتدائی دور کے اُردو مرثیہ نگاروں سے متعارف ہوں گے۔
- دکن میں اُردو مرثیہ کے ارتقا سے بحث کریں گے۔
- دکن کے نمائندہ اُردو مرثیہ نگاروں کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔
- دکن میں اُردو مرثیہ نگاری کی خصوصیات وامتیازات اور اس کی انفرادیت کو سمجھیں گے۔

21.2 تمہید

عزیز طلبا! گذشتہ اکائیوں میں آپ مرثیہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، اجزاے ترکیبی، اس کے پس منظر، اس کی ابتدا کے محرکات، صنفی ارتقا، اس کی فنی خصوصیات وامتیازات اور اس کی انفرادیت سے واقف ہوئے۔ آپ نے اُردو مرثیہ کی ادبی وتہذیبی اہمیت اور اس کی مقبولیت کے اسباب کو بھی سمجھا۔ اب اس اکائی میں آپ دکن میں

اُردو مرثیہ کے پس منظر اور ابتدائی دور کے اُردو مرثیہ نگاروں سے واقف ہوں گے، دکن میں اُردو مرثیہ کے ارتقا سے بحث کریں گے، نمائندہ مرثیہ نگاروں کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے اور دکن میں اُردو مرثیہ نگاری کی خصوصیات و امتیازات اور اس کی انفرادیت کو سمجھیں گے۔

21.3 دکن میں اُردو مرثیہ کا ارتقا

21.3.1 دکن میں اُردو مرثیہ کا پس منظر

دکن میں اُردو مرثیے کے ابتدائی نقوش بہمنی سلطنت سے ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔ وہاں مرثیہ نگاری کے متعدد اسباب تھے۔ مورخین اور محققین کے مطابق بہمنی دربار کی شان و شوکت اور خوش حالی نے جنوبی ہند کو اتنا پُرکشش مقام بنا دیا تھا کہ دنیا بھر سے خصوصاً کابل، ترکستان، عراق اور ایران و خراسان سے اہلِ علم و ادب، فن کار اور روزگار کے متلاشی افراد وہاں پہنچنے لگے تھے۔ اس کے علاوہ ایران اور ہندوستان کے درمیان تجارتی اور تہذیبی تعلقات گہرے تھے جس کی وجہ سے ایران سے ایک بڑی تعداد نقل مکانی کر کے دکن میں آباد ہو گئی تھی۔ ان میں سے تقریباً سبھی شیعہ عقائد کے ماننے والے تھے۔ ان میں سے بیش تر لوگوں نے بہمنی حکومت میں اہم عہدے اور خاص مرتبے حاصل کیے۔ یہ لوگ اپنی صلاحیت و فن کاری کی بنا پر اُمورِ مملکت کے علاوہ علمی و ادبی محفلوں میں بھی با اثر لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے دکنی معاشرت اور وہاں کی تہذیب و تمدن کو بھی متاثر کیا جو کہ فطری امر تھا۔ چنانچہ دکن میں شیعہ عقائد و نظریات کو فروغ ملنا شروع ہوا۔ شیعہ عقائد و نظریات کے فروغ کے ساتھ ہی دکن میں عزاداری کی روایت کا آغاز ہوا اور اسے قبولیت حاصل ہوتی گئی۔ اسی پس منظر میں دکن میں عزائیہ اور رثائیہ کلام کا آغاز ہوا جو اُردو مرثیے کے ابتدائی نقوش ہیں۔ دکن میں عزائیہ اور رثائیہ کلام کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر سیدہ جعفر نے اپنے مضمون 'دکنی مرثیہ اور اس کا پس منظر' میں لکھا ہے:

> ''ایک ایسی معاشرت میں جہاں سلطنت کے ارباب بست و کشاد کا مقتدر طبقہ اہلِ بیت اطہار کا معتقد ہو، عزائے حسین کی محفلیں منعقد کرنا اور ان میں واقعات کربلا بیان کرنا، خواہ وہ تقریر کی صورت میں ہو یا عزائیہ کلام کی شکل میں، ماحول کا تقاضہ معلوم ہوتا ہے۔ ایسے بہت سے شعرا جن کے نام بھی اب صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں، عزائیہ و رثائیہ کلام موزوں کرتے ہوں گے اور بینیہ شعر کہنے کی روایت کا یقیناً آغاز ہو چکا ہے۔ دکن کا پہلا مربوط عزائیہ شعری کارنامہ اشرف بیابانی کی 'نوسرہار' ۹۰۹ھ ۱۵۰۳ء ہے جس میں نو مختلف ابواب میں واقعات کربلا نظم کیے گئے ہیں۔ اس مثنوی کی فنی ترتیب، مربوط رثائیہ تاثرات کی پیش کشی اور ربط بیان کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ

'نوسرہار' سے پہلے بھی دکنی زبان میں واقعات کربلا نظم کیے جاتے رہے ہوں گے۔''

(ڈاکٹر سیدہ جعفر، دکنی مرثیہ اور اس کا پس منظر، مشمولہ، اُردو مرثیہ نگاری (مؤلفہ)، ڈاکٹر اُمِّ ہانی اشرف، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۲ء، ص:۴۶)

دکن کی عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں میں بھی اثنا عشری عقیدے کو ماننے والے سلاطین تھے۔ یوسف عادل شاہ نے تو اپنی سلطنت کو مستحکم کرنے کے بعد شیعیت کو سرکاری مذہب قرار دے دیا تھا۔ علی عادل شاہ نے حسینی محل تعمیر کرایا جو شاہی عاشور خانہ تھا جس میں مجالس عزا کا اہتمام ہوتا تھا۔ اس کی تفصیل نصرتی کی مثنوی 'علی نامہ' میں موجود ہے۔ علی عادل شاہ شاہی نے بھی عزاداری کو خوب فروغ دیا۔ وہ خود مجالس عزا میں شرکت کرتے تھے۔ وہ شاعری بھی اچھی کرتے تھے اور فن موسیقی سے گہری واقفیت بھی رکھتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے جو مرثیے تحریر کیے ہیں، وہ راگ راگنیوں کے نام پر ہیں۔ بھیروی، بھوپالی، بلاول اور بسنت جیسے راگوں پر ان کے مرثیے موجود ہیں۔ عادل شاہی دور میں مرثیہ گوئی کی روایت اس قدر مضبوط ہوگئی تھی کہ اس عہد میں مرثیہ خوانی لحن میں ہوتی تھی۔

قطب شاہی حکمرانوں پر بھی شیعہ عقائد اور طرز معاشرت کا گہرا اثر رہا ہے۔ اس سلطنت کے بادشاہ بھی محرم میں مجالس عزا منعقد کیا کرتے تھے۔ محمد قلی قطب شاہ نے تو بقول مورخ 'گلزار آصفیہ' ساٹھ ہزار روپے کی لاگت سے بادشاہی عاشور خانہ تعمیر کروایا تھا۔ محمد قلی قطب شاہ کے بعد بادشاہ بننے والے محمد قطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ نے بھی عزاداری کو خوب فروغ دیا۔ ان تمام حقائق سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دکن میں مرثیے کے فروغ کے لیے کس قدر بہتر فضا میسر تھی۔ بیش تر بادشاہوں نے اثنا عشری عقیدے کی وجہ سے مجالس عزا منعقد کرنے اور ان میں شرکت کرنے کے علاوہ اس کے فروغ کے لیے خاطر خواہ کوششیں بھی کی تھیں۔ مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کے لیے موافق حالات کی ابتدا بہمنی سلطنت سے ہی ہوگئی تھی۔ عادل شاہی سلطنت کے آتے ہی مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کی روایت مزید قوی ہوگئی اور اس کے بعد قطب شاہی اور نظام شاہی سلطنتوں کے بادشاہوں نے بھی اس رواج کو بدستور آگے بڑھانے کا کام کیا۔ دکن میں اُردو مرثیہ گوئی کے اس ابتدائی پس منظر کے حوالے سے عبدالرؤف عروجؔ رقم طراز ہیں:

''دکن کے شعرا نے جتنا مرثیہ گوئی پر زور دیا ہے، اتنا نظم کی کسی اور صنف کو اپنے خیالات کا مرکز نہیں بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اُردو کے ابتدائی دور میں دکن کے ایسے اکثر شعرا نظر آتے ہیں جن کا سارا سرمایۂ کلام نوحہ، بین، ماتم، سلام اور مرثیہ تک محدود ہے۔ اس میں اشارہ، کنایہ، تلمیح اور اسی نوع کی دوسری

چیزوں کی دریافت ایک غلط کوشش ہوگی کیوں کہ دکن میں اس فن کو محض اس وجہ سے قبول عام تھا کہ ایام عزا میں گھر گھر مجالس انعقاد پذیر تھیں اور ان میں مرثیہ، سلام اور نوحے پڑھے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اس دور کی اس صنف میں وہ جذبہ پوری شدت اور کیفیت کے ساتھ ملتا ہے جو رونے اور رُلانے کے لیے ناگزیر ہے۔''

(عبدالرؤف عروجؔ، اُردو مرثیہ کے پانچ سو سال، مکتبہ نیا راہی، کراچی، ۱۹۸۱ء، ص:۳۰)

21.3.2 دکن میں اُردو مرثیہ کا ارتقا

اُردو مرثیہ کا آغاز دکن سے ہوا۔ دکن میں موجود صوفیاے کرام کی سرپرستی میں یہ صنف وجود میں آئی۔ اس کے دھندلے نقوش بہمنی دور سے ہی ملنے لگتے ہیں۔ نصیرالدین ہاشمی کے مطابق دکن میں شروع شروع میں فارسی شعرا کا کلام مجالس عزا میں پڑھا جاتا تھا لیکن آگے چل کر جب دکنی زبان کا چلن عام ہوا تو دکنی زبان میں مرثیے کہے جانے لگے۔ دکن کے ابتدائی مرثیے عزائیہ کلام اور شہادت نامہ وغیرہ کی شکل میں تھے جو مجالس عزا میں پیش کیے جاتے تھے لیکن وہ نمونے دستیاب نہیں ہیں بقول ڈاکٹر مسیح الزماں 'ان مجلسوں میں کن شعرا کا کلام پڑھا جاتا تھا اور کس طرح کی تقریریں ہوتی تھیں، ان کا کہیں پتہ نہیں چلتا'۔ صاحب خزانہ عامرہ نے پہلے دکنی مرثیہ نگار کے طور پر آذریؔ کا ذکر کیا ہے لیکن ان کے کلام کا نمونہ بھی موجود نہیں ہے۔ محققین کے مطابق دکن کا پہلا دستیاب مرثیہ نظامی شاہی سلطنت کے شاعر اشرف بیابانیؔ کی تصنیف 'نوسرہار' ہے۔ نصیرالدین ہاشمی نے ان کی اسی تصنیف کی بنیاد پر انہیں دکن بلکہ اُردو کا پہلا مرثیہ گو شاعر قرار دیا ہے کیوں کہ ان کی یہ تصنیف بنیادی طور پر سانحہ کربلا کے موضوع پر ہے۔ اشرف بیابانیؔ کی یہ مثنوی ۹۰۹ھ مطابق ۱۵۰۳ء میں لکھی گئی۔ یہ مثنوی اٹھارہ سو اشعار پر مشتمل ہے جس میں نو ابواب اور متعدد فصلیں ہیں۔ اسے مرثیہ تسلیم کرنے میں ناقدین و محققین کے درمیان اتفاق رائے نہیں پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر مسیح الزماں کا خیال ہے کہ اسے مرثیہ قرار دینا صحیح نہیں ہے کیوں کہ یہ ایک شہادت نامہ ہے اور مرثیہ اور شہادت نامہ دونوں مختلف اصناف سخن ہیں۔ اس اختلاف رائے سے قطع نظر، اسے موضوع کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس میں مرثیہ کی رُوح پیوست نظر آتی ہے۔ اس لیے ابتدائی نمونے کے طور پر اس کی اہمیت سے انکار بھی ممکن نہیں ہے۔ دکن میں اُردو مرثیے کے واضح نقوش سولھویں صدی کے نصف آخر سے ملتے ہیں۔ اس عہد کے دستیاب نمونوں میں قلی قطب شاہ، ملا وجہیؔ اور برہان الدین جانمؔ وغیرہ کے مرثیے شامل ہیں۔ دکن میں اُردو مرثیے کی روایت کو بہ آسانی سمجھنے کے لیے اسے پانچ ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ قطب شاہی دور، عادل شاہی دور، مغلیہ دور، آصف شاہی دور اور آزادی کے بعد سے لے کر عہد حاضر تک۔

قطب شاہی عہد حکومت میں کئی اہم شاعروں نے مرثیہ گوئی میں اپنے فن کا جوہر دکھایا جن میں ملا وجہی، غواصی اور محمد قلی قطب شاہ کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ محمد قلی قطب شاہ نہ صرف گول کنڈہ کے جلیل القدر سلطان تھے بلکہ وہ ایک باکمال شاعر اور ادب نواز بھی تھے۔ انھوں نے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی۔ ان کے کلیات میں پانچ مرثیے بھی ملتے ہیں جن میں سے چار مرثیے غزل کی ہیئت میں ہیں اور ایک مرثیہ مثنوی کی ہیئت میں ہے۔ ان میں سے بعض مرثیے مکمل نہیں ہیں۔ چوں کہ قلی قطب شاہ سے قبل لکھے گئے مرثیوں کے نمونے دستیاب نہیں ہیں، اس لیے بیش تر محققین نے قلی قطب شاہ کو ہی دکن میں اُردو کا پہلا مرثیہ گو شاعر قرار دیا ہے۔ قلی قطب شاہ شیعہ عقیدہ کے پیروکار تھے اور انھیں اہلِ بیت سے انتہائی عقیدت تھی۔ محققین کے مطابق وہ ہر برس کئی نئے مرثیے کہتے تھے لیکن ان کا بہت سا رثائی کلام ہم تک نہیں پہنچ سکا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کا جتنا بھی رثائی کلام دستیاب ہے، وہ ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کی عمدہ مثال ہے۔ انھوں نے اس صنف کو نہ صرف پروان چڑھایا بلکہ اسے اعتبار بھی بخشا۔ ان کی مرثیہ گوئی نے دکنی مرثیہ نگاری پر جو اثرات مرتب کیے، اس پر روشنی ڈالتے ہوئے محمد چراغ علی نے لکھا ہے:

> ''دکنی مراثی میں جس نوعیت کے مضامین باندھے جاتے ہیں اور جس انداز و اسلوب میں باندھے جاتے ہیں، فکر و بیان کے یہ سارے نقوش ہم کو محمد قلی قطب شاہ کے مرثیوں میں مل جاتے ہیں بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ مضامین و اسالیب کے جو نقوش محمد قلی قطب شاہ نے اپنے مراثی میں چھوڑے تھے، دکن کا دبستان مرثیہ انھیں نقوش میں رنگ آمیزی کرتا ہے۔''
>
> (محمد چراغ علی، اُردو مرثیہ کا ارتقا بیجاپور اور گول کنڈہ میں، حیدر اینڈ سنز بک سیلرس، حیدر آباد، ۱۹۷۳ء، ص: ۱۱۳)

قلی قطب شاہ کی مرثیہ گوئی کے نمونے ملاحظہ کیجیے:

دو جگ اماں دو کہہ تہے سب جیو کرتے زاری وائے وائے
تن رو روں کی لکڑیاں جال کر کرتے ہیں خواری ہائے ہائے

ساتو گگن، آٹھو جنت، ساتو دریا، ساتو دھرت
ایکس تہے ایک، اپس میں اپ، دو کہہ کرتے زاری وائے وائے

سب دُکھاں کو انت ہے اس دکھ کے تائیں انت نئیں
فاطمہ کے پوت بن اس جگ منے نئیں نور کہیں

مصطفیٰ کے باغ کے پھولاں کوں بن پانی سکائے
مصطفیٰ ہور مرتضیٰ ہور فاطمہ کا دل دکھائے

محمد قلی قطب شاہ نے اُردو مرثیہ گوئی کو امکانات سے روشناس کرایا اور اپنی طبیعت کے زور اور خلاقانہ قدرت سے اس میں ایک نئی شان پیدا کی۔ ان کے مرثیے قدرے طویل ہیں اور اندازِ بیان، حسن کلام اور ندرتِ خیال میں نمایاں اہمیت رکھتے ہیں۔ دکن کی مرثیہ نگاری میں ملا وجہی کا نام بھی نمایاں ہے۔ انھوں نے مرثیہ نگاری کے میدان میں اپنی الگ چھاپ چھوڑی ہے۔ محمد چراغ علی نے ان کے دو مرثیوں کی نشان دہی کی ہے جن میں سے ایک 'مرثیہ امام' کے عنوان سے ہے اور دوسرے مرثیے کی سرخی 'مرثیۂ وجہی' ہے۔ یہ دونوں مرثیے غزل کی ہیئت میں ہیں۔ وجہی کے مرثیوں میں ان کا اندازِ بیان انتہائی سادہ اور بے تکلف ہے۔ ان کے مرثیے کے چند اشعار دیکھیے:

حسین کا غم کرو عزیزاں
آنجھو نین سو جھڑو عزیزاں
بنا جو اول ہوا ہے غم کا
عرش گگن ہور دھرت ہلایا
قضا میں جوں جوں لکھیا الٰہی
گریا حسین پر اوہی سمایا
نبیاں ولیاں کے انجھواں سوں مکھڑے
یو غم حسین کا جنم دہلایا

دکنی مرثیہ نگاروں میں قلی قطب شاہ اور وجہی کے بعد غواصی کا نام قابلِ ذکر ہے۔ انھوں نے دیگر شعری اصناف کے ساتھ ساتھ مرثیہ نگاری میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ محققین نے ان کے چھے مرثیوں کا ذکر کیا ہے جن میں سادگی اور بے تکلفی کا عنصر نمایاں ہے۔ ان کے مرثیوں میں امام حسین، شہدائے کربلا اور اہلِ بیت سے ان کی عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔ مثال کے طور پر ان کے مرثیے کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

جب تے توں کربلا میں کیا ٹھار یا حسین
تب تے ہے جگ بلا میں گرفتار یا حسین
جیو کا توں فاطمہ کے آہے جان جان کر
وہ کیوں دیا یزید تج آزار یا حسین
غواصی تے تمن پہ اچھو تو تلک سلام
جو لگ اچھو یو گنبد دوار یا حسین

غواصی کے ایک اور مرثیے کے یہ دو شعر ملاحظہ کیجیے جس سے غواصی کے مرثیوں میں زبان و بیان کی انفرادی خوبیوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے:

سلگی ہے پھر تج غم کی آگ دل میں ہمارے یا حسین
تج مہر کے پانی سوں ٹک یو آگ بجھارے یا حسین

آرام تیرے نانوں بن یک پل نیں کر جان توں
قربان تیرے نانوں پر جیون ہمارے یا حسین

قطب شاہی دور کی مرثیہ گوئی کی روایت میں ایک اور شاعر سلطان عبداللہ قطب شاہ کا نام اس اعتبار سے قابلِ ذکر ہے کہ ان کے یہاں اُردو مرثیے ترقی یافتہ شکل میں ملتے ہیں۔ انھوں نے اپنے ایک مرثیے میں واقعاتِ کربلا کو ترتیب وار بیان کرنے کی کوشش کی ہے جو اس اعتبار سے منفرد ہے کہ دکن میں اس سے پہلے واقعات نگاری پر خاص توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ نے نہ صرف مرثیے لکھے بلکہ مرثیہ گویوں کی خوب حوصلہ افزائی بھی کی۔ ان کے کلیات میں چار مرثیے شامل ہیں جو غزل کی ہیئت میں ہیں۔ ان کے مرثیے کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

محرم دہاہ ماتم کا (علم) زوراں اُچایا ہے
گگن سا تو عرش کرسی دہرت دُکھ میں ڈوبایا ہے

نبی صدقے بہوت دکھ سوں قطب یو مرثیا بولیا
سو روتا سب فرشتیاں سوں سونن جبریل آیا ہے

علی ہور فاطمہ کرتے یو دونو آج زاری بھی
حسن کا ہور حسین کا دوکھ لے آیا جگ میں خواری بھی

قطب شاہی عہد میں حضرت سید شاہ راجو قتال حسینی، قطب الدین قطبی، طبعی اور عابد کے علاوہ قطب شاہی سلطنت کے آخری فرماں روا سلطان ابوالحسن المعروف تانا شاہ وغیرہ نے بھی مرثیے کہے ہیں۔ اسی طرح سیوک، فائز، کاظم، افضل، محبّ، لطیف، ذوقی، احمد، مشتاق اور نوری وغیرہ بھی اس عہد کے مرثیہ گو شعرا کی صف میں شامل ہیں۔

عادل شاہی عہد حکومت میں جہاں بیجاپور کی مملکت وسیع ہوئی، وہیں علم وفن کی روشنی بھی تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ اس سلطنت کے بانی یوسف عادل شاہ خود فارسی زبان میں شعر کہتے تھے اور علم وادب سے گہری دل چسپی رکھتے تھے۔ بعد کے فرماں رواؤں نے بھی زبان وادب سے دل چسپی قائم رکھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے شعرا عادل شاہی دربار سے وابستہ ہوگئے۔ اس عہد کے شعرا نے دیگر شعری اصناف میں طبع آزمائی کرنے کے ساتھ ساتھ اُردو مرثیے کی روایت کو بھی توانائی بخشی۔ اس عہد میں جن شعرا نے مرثیے کہے، ان میں برہان الدین جانم، عبدل، مقیمی، امین، ملک خوشنود، شاہی، نصرتی، شاہ ملک، ہاشمی، سرور، مومن، مرتضیٰ، حسینی، قادر، مرزا اور ندیم کا نام نمایاں ہے۔

بیجاپور یا عادل شاہی عہد کے پہلے مرثیہ گو شاعر برہان الدین جانؔم ہیں۔ محمد چراغ علی نے ان کے ایک مرثیے کا ذکر کیا ہے جو غزل کی ہیئت میں ہے۔ ۱۹ اشعار پر مشتمل اپنے اس مرثیے میں برہان الدین جانؔم نے بکا اور بین کے بجائے 'فلسفۂ تصوف کو امام حسین کی شہادت سے مربوط کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے اس مرثیے میں قافیہ وردیف کی پابندی بھی ملتی ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار دیکھیے :

محرم کا چندر پھر کھن پولے ماتم ہوا پیدا
محباں کے دلاں میں سب شہاں کا غم ہوا پیدا
دکھی ہو احدیت میانے نکل وحدت منے آنے
یو غم عالم کوں دکھلانے صفی آدم ہوا پیدا
فلک اس غم سوں ہو کر خم بسایا جگ اُپر ماتم
کریں سب دَم بدَم یو غم جد ہاں تے دَم ہوا پیدا

عادل شاہی عہد کی مرثیہ گوئی میں ملک خوشنوؔد کا نام بھی اہم ہے۔ انھوں نے تین مرثیے غزل کی ہیئت میں رقم کیے ہیں۔ ان کے مرثیوں کی زبان اور طرز بیان سے ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ انھوں نے اپنے ایک مرثیے میں 'آہ' اور 'اللہ' کا اضافہ کر کے بین کی کیفیت میں مزید شدت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں ان کے مرثیے کا ایک شعر دیکھیے :

آہے فلک کیا کیا آہ آہے فلک کیا کیا اللہ
فاطمہ کوں غم دیا آہ آہے فلک کیا کیا اللہ

علی عادل شاہ ثانی شاہیؔ قادرالکلام شاعر تھے۔ وہ عادل شاہی مملکت کے پہلے بادشاہ تھے جنھوں نے دکنی زبان میں مرثیے کہے ہیں۔ ان کے کلیات میں دیگر شعری اصناف کے علاوہ ۱۶ مرثیے بھی شامل ہیں۔ اس عہد کے مرثیوں کی طرح ان کے مرثیے بھی درد وغم اور نوحہ و ماتم کے بیانات سے مملو ہیں۔ ان کے مرثیوں میں زبان و بیان کی کئی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ شاہیؔ موسیقی کے فن سے اچھی واقفیت اور راگ راگنیوں سے گہری دل چسپی رکھتے تھے۔ اسی دل چسپی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے اپنے ہر مرثیے کے ساتھ راگ راگنی کا نام بھی لکھ دیا ہے۔ انھوں نے اپنے تین مرثیوں کے لیے ہنڈول راگنی تجویز کی ہے۔ یہ راگ عموماً دوپہر کے وقت گائی جاتی ہے اور سوزخوانی کے لیے بے حد مقبول ہے۔ ان کے دو مرثیوں کے مطلعے ملاحظہ ہوں:

دیکھو کیا غم نبوت کے ہوا ہے خانداں اُوپر
کہ یو دَس درس ماتم ہے زمین ہور آسماں اُوپر

علی ہوا فاطمہ یو دوا تھے سبحان کے پیارے
دیکھو کیسا ستم کیتے انوں کی آل پر سارے

محمد چراغ علی نے شاہیؔ کے مراثی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''جس طرح غزل اور قصیدہ میں شاہیؔ کی شاعری ہم عصر شعرا سے ٹکر لیتی ہے اسی طرح مرثیہ گوئی میں بھی وہ اپنے دور کے ممتاز مرثیہ نگاروں کے ساتھ عناں درعناں چلتا ہے۔ دوسرے شعرا کی طرح شاہیؔ بھی درد وغم اور نوحہ وماتم کے ہی مضامین باندھتا ہے اور بیان کے اسالیب وعلائم بھی کم وبیش وہی برتتا ہے جو اس دور کے مراثی میں پائے جاتے ہیں لیکن قدرت بیان کی وجہ سے زبان و بیان میں جو چستی، برجستگی وپختگی اس کے مراثی میں پائی جاتی ہے، وہ اس کے ہم عصروں میں نصرتیؔ اور ملک خوشنودؔ جیسے چند ہی باکمال شعرا کے یہاں ہی دکھائی دیتی ہے۔''

(محمد چراغ علی، اُردو مرثیہ کا ارتقا بیجاپور اور گول کنڈہ میں، ص:۵۴۔۵۵)

نصرتیؔ کا شمار دکن کے ممتاز اور بلند پایہ شاعروں میں ہوتا ہے۔ وہ علی عادل شاہ ثانی شاہیؔ سے بے حد قربت رکھتے تھے۔ ان کا ایک نامکمل مرثیہ دستیاب ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ نصرتیؔ جس پایے کے شاعر تھے، ممکن ہے کہ انھوں نے کثیر تعداد میں مراثی تحریر کیے ہوں مگر وہ ہم تک نہیں پہنچ سکے۔

عادل شاہی عہد کے مرثیہ نگاروں میں مرزاؔ کا نام خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ ڈاکٹر مسیح الزماں نے انھیں عادل شاہی دور کا سب سے بڑا مرثیہ گو شاعر قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ انھوں نے اپنی پوری زندگی صرف مرثیہ گوئی کی اور حمد ونعت، منقبت ومراثی اور شہدائے کربلا سے متعلق لکھنے کے علاوہ کچھ اور نہ کہا۔ بزرگانِ دین سے ان کی عقیدت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ اسی عقیدت کے سبب وہ مرثیہ گوئی کی جانب مائل ہوئے اور پھر ان کی مقبولیت نے انھیں دوسری اصناف کی طرف توجہ کرنے ہی نہ دی۔ ان کے مرثیے کئی خوبیوں کے حامل ہیں۔ مثلاً ان میں تسلسل ہے، رزمیہ عناصر ہیں، شہادت کا بیان ہے، مرثیے کے متعدد اجزا ہیں اور خوب صورت تشبیہات و استعارات کا جھرمٹ ہے جس سے زبان اور اندازِ بیان پر ان کی قدرت کا پتا چلتا ہے۔ مرزاؔ نے اُردو مرثیہ نگاری کے میدان میں جو کارنامے انجام دیے ہیں، اس پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر مسیح الزماں رقم طراز ہیں:

''مرزاؔ نے مرثیے کو اس ابتدائی دور میں ہی بہت اونچا کر دیا۔ اپنی طبیعت کے زور سے انھوں نے مرثیے میں نئے نئے پہلو پیدا کیے۔ ایک ایک شہید کے

حال میں نہ صرف خاصے طویل مرثیے کہے بلکہ ان مرثیوں میں مسلسل واقعات کا بیان، ان کی ڈرامائی ساخت، تمہید، واقعات، گھریلو زندگی، نفسیات انسانی، رخصت، رجز، جنگ اور شہادت کی تفصیل بیان کی اور اپنے عہد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس میں زبان و بیان کی خوبیاں پیدا کیں۔ وہ پہلے مرثیہ گو ہیں جنھوں نے شوکت الفاظ اور زور بیان سے مرثیہ کو ادبی حیثیت سے بلند کیا اور اپنے عہد کے انہماک عزاداری، محبت اہل بیت اور خلوص نیت کو ادبی شکل میں ڈھال کر اسے یادگار کر دیا۔''

(ڈاکٹر مسیح الزماں، اُردو مرثیہ کا ارتقا ابتدا سے انیسؔ تک، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، دہلی، ۲۰۰۲ء، ص: ۶۰)

مرزا بیجاپوری کے ایک مرثیہ کا یہ شعر محققین نے بہ طور خاص پیش کیا ہے:

دلاں پھانکاں اناراں کر دھرو سینے طبق میانے
کہ محشر کوں نبی انگے یو تحفہ کو لے جانا ہے

مذکورہ تمام شعرا نے عادل شاہی دور میں اُردو مرثیے کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان شعرا کے علاوہ عادل شاہی دور کے اور بھی کئی شاعر ہیں جن کے یہاں مراثی کے مکمل یا ناقص نمونے دستیاب ہیں۔ ۱۶۸۶ء کے آس پاس جب دکن میں قطب شاہی اور عادل شاہی سلطنتوں کا خاتمہ ہوا تو وہاں مغل حکمرانوں کا اقتدار قائم ہوا جو تقریباً ۱۷۲۲ء تک رہا۔ اس عہد میں اگرچہ مرثیہ گوئی کو شاہی سرپرستی حاصل نہیں رہی لیکن عوام کے درمیان عزاداری کی تہذیب پہلے کی طرح برقرار رہی، محرم کے جلوس نکلتے رہے اور مجلسیں منعقد ہوتی رہیں۔ اورنگ زیب نے اپنا دارالحکومت گول کنڈہ، بیجاپور، بیدر اور گلبرگہ سے اورنگ آباد منتقل کر لیا جو کئی اہم شاعروں کا مسکن بنا۔ ان شعرا میں سے بیش تر نے مرثیے کہے۔ ذوقیؔ، اشرفؔ، ندیمؔ اور تبسمؔ احمد وغیرہ کے نام اس عہد کے مرثیہ گو شعرا میں سرفہرست ہیں۔ سید شاہ حسین ذوقیؔ کے درج ذیل شعر میں زبان و بیان کی دل کشی ملاحظہ کیجیے:

اے شمع بزم مرتضیٰ گھر آج آتے کیوں نہیں
تاریک ہے تم بن جہاں جلوا دکھاتے کیوں نہیں

سید اشرفؔ بھی اس دور کے ممتاز مرثیہ گو شاعر ہیں۔ وہ صرف مرثیے کہتے تھے۔ اس عہد کے مرثیہ گو شاعروں میں سید شاہ ندیمؔ حسینی کا نام قابلِ ذکر ہے۔ انھوں نے عادل شاہی دور سے ہی مرثیہ کہنا شروع کر دیا تھا مگر ان کی مرثیہ گوئی کو پہچان عہد مغلیہ میں ملی۔ ان کے مرثیوں میں جذبات نگاری، مکالمہ نگاری اور واقعہ نگاری کے دل

چسپ نمونے ملتے ہیں۔مثال کے طور پر ان کے مرثیے کے چند اشعار دیکھیے :

ہے ہے اصغر ابن حسین سونا تیرا پالنا
رو رو بانو کرتے ہیں بین سونا تیرا پالنا

تجھ بن بانو ہیں بے حال لہو میں بکھرے سر کے بال
کہتے ہے ہے میرا لال سونا تیرا پالنا

تھا تو شہ امن کا چاؤ مجھ دکھیا کے من کا بھاؤ
کاری ہے مجھ دل پر گھاؤ سونا تیرا پالنا

قطب شاہی اور عادل شاہی حکومتوں کے خاتمے کے بعد بہت سے شاعر و مرثیہ نگار دکن کے اطراف و جوانب؛ گجرات، کرناٹک اور کرنول وغیرہ منتقل ہو گئے تھے۔یہی وجہ ہے کہ مغلیہ عہد میں مرثیہ گوئی کے سلسلے اورنگ آباد کے علاوہ دور دراز کے علاقوں تک پھیل گئے۔محققین نے مغلیہ سلطنت کے ایک گورنر سعادت علی خان کا ذکر کیا ہے جو مدراس کی سرزمین پر دکنی زبان میں مرثیے کہتے تھے۔اسی طرح ویلور کے دور دراز علاقے میں محمد فیاض ولّی ویلوری کا نام بھی قابلِ ذکر ہے جنھوں نے 'روضۃ الشہدا' کے عنوان سے ایک شہادت نامہ لکھا تھا جو واقعاتِ کربلا اور اس کی جزئیات بیانی پر مشتمل ہے۔غرض یہ کہ مغلیہ عہد میں بھی مرثیہ گوئی کی روایت برابر پروان چڑھتی رہی۔

اورنگ زیب کے انتقال کے بعد جب مغلیہ سلطنت پر زوال آیا تو دکن میں ۱۷۲۳ء میں نظام الملک آصف جاہ کی سربراہی میں آصف جاہی دور حکومت کا آغاز ہوا۔یہ نئی سلطنت برصغیر کی آزادی تک قائم رہی۔اس سلطنت نے عزاداری کی تہذیب و مراسم کو از سرِ نو بحال کیا اور مرثیہ خوانی کی روایت کو خوب فروغ بخشا۔اس عہد کے نمائندہ مرثیہ گو شعرا میں ہاشم علی اور درگاہ قلی خان دوراںؔ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ڈاکٹر مسیح الزماں کے مطابق ہاشم علی نے عمر بھر صرف مرثیے کہے۔انھوں نے اپنے مرثیوں کا ایک مجموعہ مرتب کیا جو ردیف وار ہے۔اس مجموعہ کا نام 'دیوان حسینی' ہے۔اس میں کل ۲۳۸ مرثیے ہیں۔ان کے بہت سے مرثیے ایسے ہیں جن میں واقعات کربلا میں سے یا تو کسی ایک شہید کا حال بیان ہوا ہے یا پھر کسی ایک واقعے کا سلسلہ وار ذکر ہے۔ان کے اس دیوان میں شامل زیادہ تر مرثیے غزل کی ہیئت میں ہیں۔زبان و بیان کی سطح پر ان کے مرثیے ترقی یافتہ نظر آتے ہیں۔ان کے مرثیوں کے درج ذیل اشعار دیکھیے :

کس کا اب پالنا جھلاؤں گی
لوری دے کے کسے سلاؤں گی

کس کو چھاتی سیتی لگاؤں گی
حیف یو بال پن ترا اصغر

درگاہ قلی کے آبا واجداد مشہد سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے اور بعض اہم عہدوں پر فائز رہے۔ درگاہ قلی کو دکن کے حاکم آصف جاہ کی قربت حاصل تھی۔ ایرانی الاصل ہونے کے سبب درگاہ قلی کو بھی اہلِ بیت اور آلِ رسول سے بے حد عقیدت تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے کئی مرثیے کہے۔ چوں کہ درگاہ قلی کو بادشاہ وقت آصف جاہ کے ساتھ دہلی میں قیام کا موقع ملا تھا، غالباً اسی وجہ سے ان کے مرثیوں میں شمالی ہندوستان کا رنگ نظر آتا ہے۔ ان کے مرثیے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

پیاس سیں بے تاب جان بوتراب
آٹھ دن میں نہیں ملا اک قطرہ آب

دیکھ عباس علی یہ اضطراب
قصد پانی کا کیے جلد و شتاب

مشک بھر کر لے چلے مثل سحاب
بے مروت ہائے بہورے کر عتاب

دکن میں اُردو مرثیے کے ان نمونوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ محمد قلی قطب شاہ سے لے کر درگاہ قلی خان تک آتے آتے اُردو مرثیوں نے کتنے رنگ دیکھے اور کس طرح ترقی کی منزلیں طے کیں۔ مذکورہ بحث سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ دکن کے مرثیہ گو شعرا نے مرثیہ کے فن کو فروغ دینے اور اسے استحکام بخشنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ چنانچہ دکن میں اُردو مرثیہ کی مضبوط و مستحکم روایت قائم ہوئی جس کے ذکر کے بغیر اُردو مرثیہ کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔

21.3.3 ماحصل

اُردو میں مرثیہ گوئی کی روایت کا آغاز سرزمین دکن سے ہوا۔ محققین نے دکن کو اُردو مرثیے کی اولین تربیت گاہ قرار دیا ہے۔ چوں کہ اس خطے میں ایرانی، ترکی اور دیگر غیر ملکی اثرات زیادہ رہے ہیں، اسی وجہ سے وہاں کی تہذیب کے آثار بھی اس خطے سے وابستہ رہے ہیں۔ دکن میں باہر سے آنے والے بیش تر افراد شیعہ تھے اور وہ وہاں کی سلطنتوں میں معزز عہدوں پر بھی فائز تھے جس کی وجہ سے سماجی سطح پر ان کے رسوم اور تہذیب کو قبولیت ملتی گئی۔ شیعہ عقیدے کے پیروکار بادشاہوں نے محرم اور عزاداری کی تہذیب کو خوب پروان چڑھایا جس کے نتیجے میں دکن میں مرثیہ گوئی کی روایت کافی پھلی پھولی۔ دکن میں مرثیہ گوئی کے ابتدائی نقوش بہمنی سلطنت سے ہی

ملنے لگتے ہیں۔ محققین نے 'نوسرہار' کو دکن میں اُردو مرثیہ کا پہلا مکمل نمونہ تسلیم کیا ہے جس میں کربلا کے واقعات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ البتہ بیش تر محققین کا کہنا ہے کہ دکن کا پہلا مرثیہ گو شاعر محمد قلی قطب شاہ ہے۔ قلی قطب شاہ کے بعد قطب شاہی عہد میں جن شعرا نے اُردو مرثیے کی روایت کو پروان چڑھایا، ان میں ملا وجہی، غواصی، سلطان عبداللہ قطب شاہ، حضرت سید شاہ راجو قتال حسینی، قطب الدین قطبی، طبعی، عابد، سلطان ابوالحسن المعروف تانا شاہ، سیوک، فائز، کاظم، افضل، محبّ، لطیف، ذوقی، احمد، مشتاق اور نوری وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔ عادل شاہی عہد میں بھی اُردو مرثیے کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ اس عہد میں جن شعرا نے مرثیے کہے، ان میں برہان الدین جانم، عبدل، مقیمی، امین، ملک خوشنود، شاہی، نصرتی، شاہ ملک، ہاشمی، سرور، مومن، مرتضی، حسینی، قادر، مرزا اور ندیم کے نام خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ قطب شاہی اور عادل شاہی سلطنتوں کے خاتمے کے بعد دکن میں مغلیہ اور آصف جاہی سلطنتوں کے زیرِ اثر بھی اُردو مرثیہ گوئی کی روایت پروان چڑھتی رہی۔ غرض یہ کہ دکن کے مرثیہ گو شعرا نے مرثیہ کے فن کو فروغ دینے اور اسے استحکام بخشنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ چنانچہ دکن میں اُردو مرثیہ کی مضبوط و مستحکم روایت قائم ہوئی جس کے ذکر کے بغیر اُردو مرثیہ کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔

21.4 آپ نے کیا سیکھا؟

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے:

- دکن میں اُردو مرثیہ کے پس منظر سے واقفیت حاصل کی۔
- دکن میں ابتدائی دور کے اُردو مرثیہ نگاروں سے آگہی حاصل کی۔
- دکن میں اُردو مرثیہ کے ارتقا سے بحث کی۔
- دکن کے نمائندہ اُردو مرثیہ نگاروں کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔
- دکن میں اُردو مرثیہ نگاری کی خصوصیات و امتیازات اور اس کی انفرادیت کو سمجھا۔

21.5 اپنا امتحان خود لیجیے

۱۔ دکن میں اُردو مرثیہ کے پس منظر سے بحث کیجیے۔

۲۔ قلی قطب شاہ کے کلیات میں کتنے مرثیے ہیں اور کس ہیئت میں ہیں؟

۳۔ قطب شاہی عہد کے مرثیہ گو شعرا کے نام بتائیے۔

۴۔ مرزا بیجاپوری کی مرثیہ نگاری پر مختصراً اظہارِ خیال کیجیے۔

۵۔ دکن میں مغلیہ دور کے کسی ایک نمائندہ مرثیہ گو شاعر کے بارے میں اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

21.6 سوالوں کے جوابات

۱۔ دکن میں اُردو مرثیے کے ابتدائی نقوش بہمنی سلطنت سے ملنے شروع ہوجاتے ہیں۔ وہاں مرثیہ نگاری کے متعدد اسباب تھے۔ مورخین اور محققین کے مطابق بہمنی دربار کی شان وشوکت اور خوش حالی نے جنوبی ہند کو اتنا پُرکشش مقام بنا دیا تھا کہ دنیا بھر سے خصوصاً کابل، ترکستان، عراق اور ایران وخراسان سے اہلِ علم و ادب، فن کار اور روزگار کے متلاشی افراد وہاں پہنچنے لگے تھے۔ اس کے علاوہ ایران اور ہندوستان کے درمیان تجارتی اور تہذیبی تعلقات گہرے تھے جس کی وجہ سے ایران سے ایک بڑی تعداد نقل مکانی کرکے دکن میں آباد ہوگئی تھی۔ ان میں سے تقریباً سبھی لوگ شیعہ عقائد کے ماننے والے تھے جنھوں نے بہمنی حکومت میں اہم عہدے اور خاص مرتبے حاصل کیے۔ یہ لوگ اپنی صلاحیت وفن کاری کی بنا پر اُمورِ مملکت کے علاوہ علمی وادبی محفلوں میں بھی بااثر لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے دکنی معاشرت اور وہاں کی تہذیب وتمدن کو بھی متاثر کیا جو کہ فطری امر تھا۔ چنانچہ دکن میں شیعہ عقائد ونظریات کو فروغ ملنا شروع ہوا۔ شیعہ عقائد ونظریات کے فروغ کے ساتھ ہی دکن میں عزاداری کی روایت کا آغاز ہوا اور اسے قبولیت حاصل ہوتی گئی۔ اسی پس منظر میں دکن میں عزائیہ اور رثائیہ کلام کا آغاز ہوا جو اُردو مرثیے کے ابتدائی نقوش ہیں۔ چوں کہ اشرف بیابانؔی سے پہلے مرثیے کے نقوش دستیاب نہیں ہیں، اس لیے اشرف بیابانؔی کی تصنیف 'نوسرہار' کو دکن کا پہلا مرثیہ تسلیم کیا جاتا ہے لیکن بیش تر محققین نے قلی قطب شاہ کو دکن کا پہلا مرثیہ گو شاعر قرار دیا ہے۔

۲۔ قلی قطب شاہ کے کلیات میں کل پانچ مرثیے ہیں جن میں سے چار مرثیے غزل کی ہیئت میں ہیں اور ایک مرثیہ مثنوی کی ہیئت میں ہے۔

۳۔ قطب شاہی عہد کے مرثیہ گو شعرا میں ملا وجہیؔ، غواصیؔ، سلطان عبداللہ قطب شاہ، حضرت سید شاہ راجوؔ قتال حسینی، قطب الدین قطبیؔ، طبعیؔ، عابدؔ، سلطان ابوالحسن المعروف تانا شاہ، سیوکؔ، فائزؔ، کاظمؔ، افضلؔ، محبّیؔ، لطیفؔ، ذوقیؔ، احمدؔ، مشتاقؔ اور نوری وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔

۴۔ عادل شاہی عہد کے مرثیہ نگاروں میں مرزاؔ بیجاپوری کا نام خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ ڈاکٹر مسیح الزماں نے انھیں عادل شاہی دور کا سب سے بڑا مرثیہ گو شاعر قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ انھوں نے اپنی پوری زندگی صرف مرثیہ گوئی کی اور حمد ونعت، منقبت ومراثی اور شہدائے کربلا سے متعلق لکھنے کے علاوہ کچھ اور نہ کہا۔ بزرگانِ دین سے ان کی عقیدت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ اسی عقیدت کے سبب وہ مرثیہ گوئی کی جانب مائل ہوئے اور پھر ان کی مقبولیت نے انھیں دوسری اصناف کی طرف توجہ کرنے ہی نہ دی۔ ان

کے مرثیے کئی خوبیوں کے حامل ہیں۔ان میں تسلسل ہے، رزمیہ عناصر ہیں، شہادت کا بیان ہے، مرثیے کے متعدد اجزا ہیں اور خوب صورت تشبیہات و استعارات کا جھرمٹ ہے جس سے زبان اور اندازِ بیان پر ان کی قدرت کا پتا چلتا ہے۔

۵۔ دکن میں مغلیہ دور کے نمائندہ شاعروں میں ہاشم علی کا نام قابلِ ذکر ہے۔ڈاکٹر مسیح الزماں کے مطابق ہاشم علی نے عمر بھر صرف مرثیے کہے۔انھوں نے اپنے مرثیوں کا ایک مجموعہ مرتب کیا جو ردیف وار ہے۔ اس مجموعہ کا نام 'دیوان حسینی' ہے۔اس میں کل ۲۳۸ مرثیے ہیں۔ان کے بہت سے مرثیے ایسے ہیں جن میں واقعات کربلا میں سے یا تو کسی ایک شہید کا حال بیان ہوا ہے یا پھر کسی ایک واقعے کا سلسلہ وار ذکر ہے۔ان کے اس دیوان میں شامل زیادہ تر مرثیے غزل کی ہیئت میں ہیں۔زبان و بیان کی سطح پر ان کے مرثیے ترقی یافتہ نظر آتے ہیں۔

21.7 فرہنگ

(الفاظ)		(معانی)
عزاداری	:	میّت یا شہدائے کربلا کا غم کرنا، سوگ منانا، ماتم کرنا
بست و کشاد	:	بند ہونا اور کھلنا، مراد انتظام
مقتدر	:	اہلِ اقتدار، اختیار رکھنے والا، مقتدر، نام ور
اہلِ بیت	:	حضور ﷺ کے خاندان کے لوگ
اطہار	:	جو پاک و پاکیزہ ہوں
معتقد	:	اعتقاد رکھنے والا، ماننے والا، دل سے بھروسہ رکھنے والا
معاشرت	:	اجتماعی زندگی گزارنے کا ڈھنگ، طرز زندگی، رہن سہن
رثائی	:	غم اور موت سے متعلق، ماتمی
لحن	:	سُریلی آواز، راگ، سُر
بوتراب	:	حضرت علی کی کنیت، حضرت علیؓ
شتاب	:	جلد، تیزی، بلا توقف
سحاب	:	بادل، گھٹا، ابر
اَنت	:	اخیر، خاتمہ، انجام
خلّاقانہ	:	تخلیقی، صلاحیت یا قوت کے ساتھ
گگن	:	آسمان، فلک

خاصہ	:	خاصیت، فطری وصف، کوئی گن جو اصل وافتاد میں مضمر ہے
مربوط	:	وابستہ، ربط دیا گیا
چندر	:	چاند، ماہتاب، خوب صورت
بُکا	:	گریہ وزاری، رونے اور آنسو بہانے کا عمل، ماتم
شہاں	:	بادشاہ، شہنشاہ
جگ	:	دنیا
لوری	:	وہ سُریلے بول جو بچے کو سلانے کے لیے گیت کے طور پر ماں دھیمے سُروں میں گاتی ہے

21.8 کتب برائے مطالعہ

۱۔	اُردو مرثیے کا ارتقا ابتدا سے انیسؔ تک	:	ڈاکٹر مسیح الزماں
۲۔	اُردو مرثیے کا ارتقا بیجاپور اور گول کنڈہ میں	:	محمد چراغ علی
۳۔	اُردو مرثیہ نگاری (مؤلفہ)	:	ڈاکٹر اُمِّ ہانی اشرف
۴۔	اُردو مرثیہ کے پانچ سو سال	:	عبدالرؤف عروجؔ
۵۔	دکن میں اُردو	:	نصیرالدین ہاشمی

ignou THE PEOPLE'S UNIVERSITY